کتاب نما

قادیانیت ہماری نظر میں : از محمد متین خالد۔ ناشر: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، حضوری باغ روڈ، ملتان۔ صفحات ۴۸۷۔ قیمت ۲۰۰ روپے۔

اس کتاب میں ۳۹ ممتاز افراد، اداروں، علما، ججوں، ادیبوں اور خطیبوں کی تحریریں اور مقالات درج ہیں۔ شعرا، ادیبوں، خطیبوں، ارباب اقتدار، وکلا، جماعتوں کے لیڈروں اور اداروں کے کارپردازوں کے افکاروارشادات شامل ہیں۔ سابق قادیانیوں (جو از سر نو مسلمان ہوئے) کے تاثرات بھی جمع ہیں۔ حکومت پاکستان کے نشریات یا قوانین کے مضمرات اور اس کے بعض افسروں کے جذبات، حتیٰ کہ غیر مسلم شخصیات کا حصہ بھی شامل ہے۔ موجودہ علما و مشائخ اور علمائے سلف کے علاوہ خلفائے راشدینؓ امام ابوحنیفہؒ، اور مشائخ بھی اس قادیانی باطل کے ابطال میں شریک ہیں۔ مرتب نے فتاویٰ بھی جمع کیے ہیں اور طلبہ اور مزدور رہنماؤں کے خیالات کو بھی نہیں چھوڑا ہے۔ میں چند سطریں مولف کے ہاں سے یہاں نقل کرتا ہوں :

> سرکردہ افراد کے فکرانگیز، مبنی برحقائق، ایمان افروز اور ولولہ انگیز مشاہدات و تاثرات اور حیرت انگیز و ہوش ربا انکشافات پر مبنی مستند تاریخی و تحقیقی دستاویز --- جو پوری ملت اسلامیہ کی آواز ہے۔

فی الواقع میں نے جتنی کتابیں دیکھی ہیں ان کے مقابلے میں مواد، ترتیب، اور حسنِ طباعت کے لحاظ سے یہ کتاب مجھے بہت پسند آئی ہے۔

قادیانیت کو مولانا مودودیؒ نے "سرطان کا پھوڑا" قرار دیا اور نظربندی اور "قلعہ" کے مراحل سے گزر کر فوجی عدالت کے فیصلے سے پھانسی کی کوٹھڑی میں پہنچے۔ چنانچہ یہ سرطانی پھوڑا اپنی بنیادیں قادیان میں چھوڑتا نشوونما پاکر نہ صرف پاکستان و کشمیر میں بلکہ اسرائیل اور برطانیہ و افریقہ میں ریشہ دوانیاں کر رہا ہے اور دنیا کی دشمن قوتوں کو پاکستان کے راز بھی پہنچاتا ہے اور مخالفانہ جذبات بھی منتقل کرتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے جہاں کوئی مفاد کی راہ نکلنے والی ہو، وہاں

یہودیوں سے مل کر پاکستان کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ ادھر ہمارے نظام ملکی میں عہدوں پر بیٹھا ہے۔ اسی جنس میں سے ایک جوڑا تھا جس نے شمسی توانائی حاصل کرنے کے لیے کام شروع کیا۔ ان کو جگہ دی گئی' بہت بڑی مقدار روپے کی صرف ہوئی' کیونکہ انھوں نے مشینری منگوانے پر خاص طور پر زور دیا تھا۔ کچھ مدت بعد جب کہ کروڑوں (یا اربوں) روپے صرف بلکہ اڑنچھو ہو چکے تھے' صدر ضیا نے اچانک معائنہ کے لیے آنے کی اطلاع دی۔ اطلاع ملنے کے بعد جلد سے جلد وہ عورت روپیہ وغیرہ ساتھ لے کر بیرون ملک چلی گئی۔ شوہر صاحب بھی "جدھر گئیاں بیڑیاں' ادھر گئے ملاح" غائب ہو گئے۔

اب یہ اشرار کشمیری مسلمانوں کی تباہی میں ہندوؤں کا ہاتھ بٹانے کے لیے اسرائیل کے ساتھ ساتھ ادھر کا رخ کر رہے ہیں۔

ایک بیرونی ٹیلی وژن نظام کے چینل ہر وقت خرید کر اسے ایسی لہروں کے ذریعے استعمال کیا جا رہا ہے جو صرف ڈش انٹینا رکھنے والوں کے لیے کام کرتی ہیں۔ چنانچہ ڈش انٹینا کا کاروبار بھی کیا جا رہا ہے۔ ان کی بعض جگہ مفت فراہمی بھی کی جا رہی ہے' اور اس ذریعے سے پاکستان کے مسلمانوں پر قادیانی پروگراموں کا زہر انڈیلا جا رہا ہے۔ جس ڈش انٹینا پر یہ پروگرام آنے لگتا ہے تو دوسرے تمام پروگرام نظر نہیں آ سکتے۔ یہ اس کے ذریعے اپنے سربراہ کو اور اپنی شخصیتوں کو اور اپنے نثر مضامین اور دیگر نشریات کو لا کر دیہاتی عوام اور عورتوں اور نوجوانوں اور بچوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہاں کے ہر انتخاب کی طرح یقیناً انھوں نے پچھلے انتخابات میں بھی مسلمانوں کو مضر پڑنے والی صورت کے لیے ووٹ دیا ہوگا۔ نہایت ضروری ہے کہ ایمان کے ایسے گروہ کٹوں کے امتیاز کے لیے مذہبی خانہ بھی شناختی کارڈوں اور ووٹرز لسٹوں میں رکھا جائے۔ ان کو کسی طور پر افسری کا راستہ حکومتی مشینری میں نہ دیا جائے۔ مصیبت یہ ہے کہ اس گروہ مرزائیت کی سرپرستی اور اس کا تحفظ یہاں کا سیکولر طبقہ کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دستوری اور قانونی فیصلوں کے بعد جو عملی اقدامات اور احتیاطیں ہونا چاہئیں تھیں' پوری طرح نہیں ہو رہیں۔

اب جب سے آٹھویں ترمیم کی جزوی یا کلی منسوخی کا ذکر چلا ہے' سیاسی حکمران اور اپوزیشن لیڈر اس طرف توجہ نہیں کر رہے کہ لادین طبقہ' سوشلسٹ' امریکہ پرست' دولت کی گاڑی کے قلی' جنسی غلاظتوں میں غوطے لگانے والے گروہ' اور ان کے ساتھ شامل ہو کر قادیانی بھی پوری آٹھویں ترمیم کے خاتمے کا آوازہ اٹھا رہے ہیں۔

کیا اب سیکولر حضرات یہ چاہتے ہیں کہ امریکہ اور برطانیہ اور اسرائیل کے یہ چہیتے جاسوس ایک بار پھر پاکستان اور کشمیر میں فتنہ و سازش اور ظلم و تعدی کے ذریعے مسلمانوں کو اذیتیں دیں اور پچھلے انتقام لیں اور خطہ کی سیاست کو پاکستان کے لیے ایسا ٹیڑھا کر دیں کہ اس پورے خطے پر نیوامپیریلزم (قرض+ اسلحہ+ ثقافت کی بخشش کی بنیادوں پر) اپنا آہنی جال پھیلا دے اور یہ مسلمان جنھوں نے مرزا صاحب کو نہیں مانا' یہ اور ان کی اولادیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مریں۔ کیا حکومت ویسے ہی جھمیلے اور تصادم پیدا کرنا چاہتی ہے؟

اس فتنہ قادیانیت کی ایک مختصر کہانی جناب محمد متین خالد نے بہت اچھی شکل میں تیار کی ہے اور اس طرح نئی نسلوں کو قادیانی سرطان کے پھوڑے کے زہریلے پن سے آگاہ کیا ہے۔
(نعیم صدیقی)

نظامِ تعلیم' نظریہ' روایت' مسائل : از پروفیسر خورشید احمد ۔ مرتب : سلیم منصور خالد ۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز' مرکز ایف' سیون اسلام آباد۔ صفحات ۳۴۶۔ قیمت ۱۸۰ روپے۔

نظر سب سے پہلے دیدہ زیب گردوپوش پر جم کر رہ جاتی ہے' مسئلہ بھی اسی قدر اہم ہے۔ تعلیم' پاکستان بلکہ امت مسلمہ کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ اس موضوع پر' پُر مغز تحریرات کا یہ مجموعہ' مسئلے کے جملہ پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کرتا ہے۔ آج تمام مسلم ممالک بظاہر آزاد ہیں مگر آزادی کی حقیقی منزل سے ابھی کوسوں دور ہیں' اور معاشی اور تہذیبی استعمار کا شکار ہیں۔ سبب تلاش کیا جائے تو تعلیم ہی میں ملے گا۔ اگر ہماری قیادت' حصول آزادی کے بعد نظام تعلیم کی تشکیل نو اسلامی بنیادوں پر کرتی' تو ۳۰'۳۵ سال میں قوم حقیقی آزادی سے ہم کنار ہو چکی ہوتی لیکن ----

اختصاص کے اس دور میں' "مقام بنانے کے لیے" مشورہ یہ دیا جاتا ہے کہ صلاحیت کو کسی ایک شعبے پر مرتکز کر لینا چاہیے۔ پروفیسر خورشید احمد کو بھی یہ مشورہ ضرور ملا ہو گا۔ اگر وہ ایسا کرتے تو محض ایک ماہرِ معاشیات ہوتے' اور ہم اس کتاب سے محروم رہ جاتے۔ یہ غالباً مرتب کے ذوق کا مسئلہ بھی ہے کہ انھوں نے معاشیات یا سیاسیات سے پہلے تعلیم پر مجموعہ مضامین شائع کیا ہے (یقیناً معاشیات اور سیاسیات پر مجموعے اس سے زیادہ ہی ضخیم ہوں گے)

جیسا کہ عنوان ہی سے ظاہر ہے، کتاب کو نظریہ، روایت اور مسائل تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں ۴، دوسرے میں ایک اور تیسرے میں ۳۴ تحریرات ہیں۔ نظریہ اور روایت کے ابواب بھی قیمتی ہیں، اور پس منظر کے مطالعہ کے لیے ضروری بھی، لیکن مصنف کی فکر و ذہانت کا ماحصل تیسرے حصے میں سامنے آتا ہے۔ یہ تحریریں گذشتہ ۴۲ سال کے دوران میں لکھی گئی ہیں۔ یوں ان کی مدد سے ملک کی تعلیمی تاریخ کا مطالعہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ مصنف طالب علمی کے دور میں طلبہ کی اسلامی تحریک کے قائد کی حیثیت سے، اور بعد میں جامعہ کراچی کے ایک استاد کی حیثیت سے تعلیمی مسائل سے براہِ راست متعلق رہے ہیں۔ گذشتہ برسوں میں انھیں سینٹ میں بھی تعلیمی مسائل پر اظہار خیال کا موقع ملتا رہا۔ مرتب کے الفاظ میں یہ تحریرات مصنف کی: "علمی، تعلیمی بصیرت کی آئینہ دار ہی نہیں بلکہ اس تاریخی فہم و ادراک کی بازگشت بھی ہیں جو حق گو اہلِ قلم کا امتیازی شعار رہا ہے —— طولِ زمانی کے باوجود ان سب میں عقیدے کی پختگی، راستِ فکری، وسعتِ مطالعہ اور تجزیے کی گہرائی یکساں طور پر موجود ہے۔ انھوں نے بہت سے مقامات پر قائدانہ بصیرت کے ساتھ دو ٹوک اور نتیجہ خیز موقف اختیار کیا ہے۔ اس لیے تعلیمی و تہذیبی انقلاب کی یہ منفرد آواز اہلِ دانش کے لیے غور و فکر کی دعوت اور اہلِ حل و عقد کے لیے فیصلہ و عمل کا پیغام ہے۔"

مسائل پر گفتگو میں مسئلے کا واضح ادراک، نظریے کا مکمل شعور اور قابلِ عمل تجاویز و اقدامات ملتے ہیں۔ بعض جامع تجاویز اور تبصرے ہیں جن میں بیشتر مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے اور بعض اہم مسائل پر الگ بحثیں ہیں، مثلاً: ذریعۂ تعلیم کا مسئلہ، طبقاتی تعلیم کا مسئلہ، پرائمری تعلیم، یونی ورسٹی تعلیم، نجی تعلیم، دینی مدارس کی تعلیم، اسلامیات کا نصاب وغیرہ —— ان بحثوں میں وہ نکات ہیں جن سے ہمارے پالیسی ساز اور ماہرینِ تعلیم ہی کو نہیں، بلکہ بی ایڈ اور ایم ایڈ کرنے والے طلبہ اور تدریس میں مصروف اساتذہ کو بھی ضرور واقف ہونا چاہیے۔ ضروری تو یہ ہے کہ سیاسی قائدین بھی مطالعے کی عادت اپنائیں اور یہ کتاب بھی پڑھیں۔

نظامِ تعلیم میں مطلوبہ تبدیلی کیوں نہیں ہو سکی؟ یہ کتاب اس کا جواب مہیا کرتی ہے۔ پاکستان کے خصوصی حوالے سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ ملک کی باگ ڈور جن قوتوں کے ہاتھ میں رہی ہے، انھوں نے یہ گوارا ہی نہیں کیا کہ تعلیم کو اس کا صحیح مقام ملے اور تعلیم کا قبلہ راست کرنے کی فکر کی جائے۔ ایک کشمکش ہے جو جاری ہے اور اب تو بیرونی

طاقتیں اپنے مفادات کے تحت تعلیم کی تشکیل میں خود سامنے آکر نمایاں کردار ادا کر رہی ہیں۔ پروفیسر خورشید احمد اپنے دیباچے میں بجا طور پر ماتم کناں ہیں: "یہ کیسی تاریکی ہے کہ آج کی سیاسی اور دینی قیادت کی فکر اور اس کی عملی جدوجہد میں تعلیم کی اصلاح کا مرکزی مقام تو ایک طرف رہا' قانونی درجے کا مقام بھی نظر نہیں آتا"۔

شاید یہ کتاب اسے مرکزی مقام دلانے کا کچھ احساس پیدا کر سکے۔

(احمد انس)

عظمت رفتہ: از: ڈاکٹر عبدالحلیم عویس۔ مترجم: ڈاکٹر مقتدیٰ حسن یاسین۔ ناشر: ادارۃ البحوث الاسلامیہ' جامعہ سلفیہ' بنارس۔ صفحات ۱۶۰۔ قیمت درج نہیں۔

اسباب زوال امت' مسلم اور غیر مسلم مورخین و مفکرین کا ایک مرغوب موضوع رہا ہے۔ مصنف نے اسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے "مسلم حکومتوں کے زوال کا عبرت آموز جائزہ" پیش کیا ہے۔ انھیں مغربی ماہرین تاریخ کے اس فلسفے سے اتفاق نہیں کہ تاریخ ہمیشہ عمودی شکل میں اپنا راستہ طے کرتی ہے۔ اس اعتبار سے اسلام کی عظمت رفتہ کی بحالی کا امکان نہیں (لیکن اسلام سے خوف' اسلامی تحریکوں کا راستہ روکنے کی مجنونانہ کوششیں اور "بنیاد پرستی" کی آڑ میں مسلمانوں کے خلاف مہم چہ معنی دارد؟ گویا خود مغرب اپنے فلسفیوں کی اس تھیوری پر یقین نہیں رکھتا؟) --- لیکن ڈاکٹر عویس "جو تھا نہیں ہے' جو ہے نہ ہوگا" کے برعکس اسلام اور اہل اسلام کے بارے میں "ادھر ڈوبے ادھر نکلے' ادھر ڈوبے ادھر نکلے" کے قائل ہیں۔ ان کے خیال میں اسلام کے باب میں تاریخ کی حرکت screw - shaped ہے' جس میں منظم طور پر ہبوط و صعود کے مرحلے آتے ہیں۔ ہبوط اس وقت ہوتا ہے' جب اندرونی طور پر اختلاف و فساد پیدا ہو جائے' اور صعود اس وقت ہوتا ہے' جب خارجی چیلنجوں کو قبول کرلیا جائے --- وہ مزید کہتے ہیں کہ امت کے تاریخی تجربے میں ہبوط کے مرحلے اندرونی حالات سے مربوط رہے ہیں۔ اس امت پر باہر سے جتنی زد پڑی' اس سے زیادہ اندر سے پڑی' بلکہ خارجی دشمنوں کو نقصان پہنچانے کا موقع ہی اس وقت ملا' جب اندر لگے ہوئے گھن کے ذریعے ان کو راہ ملی۔

اپنے موقف کی تائید میں مصنف نے چودہ سو سال کی مسلم حکمرانی کی تاریخ سے استدلال کیا ہے' اور یہ استدلال خاصا قوی ہے --- انھوں نے تاریخ کے بعض ایسے واقعات و حوادث کی طرف متوجہ کیا ہے' جن کی طرف عام مورخین کی نظر نہیں جاتی' یا وہ انھیں قابل ذکر نہیں سمجھتے

--- مصری عالم اور دانش ور ڈاکٹر عبدالحلیم عویس نے' جو امام محمد بن سعود یونیورسٹی میں اسلامی تاریخ و تمدن کے استاد ہیں' مسلم عروج و زوال کی عبرت ناک و سبق آموز تاریخ پر بانداز دگر نظر ڈالی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کتاب میں ہماری تہذیب کے ان پتوں کا ذکر ہے جو مرجھا چکے ہیں' اور ان مسلم حکومتوں کے زوال کی داستان ہے' جو بھیانک امراض میں مبتلا ہو کر فنا ہوگئیں --- یہ "بھیانک امراض" کیا تھے ؟

اول : "غنیمت" کا مرض' جو ہماری اولین شکست کا سبب بنا۔ پہلے معرکے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کے باوجود' تیر اندازوں نے آپؐ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور اندیشہ کیا کہ "غنیمت" کا مال ہاتھ سے نکل جائے گا --- یہ سلسلہ فرانس پر عبدالرحمٰن غافقی کی فوج کشی تک چلتا ہے۔ غافقی ایمان کی قوی روح سے سرشار تھا۔ وہ سپین کی سرحدوں کو عبور کرکے فرانس کے اندر پیش قدمی کر رہا تھا کہ ۱۱۴ھ میں "بلاط الشہداء" کے معرکے میں شہید ہوگیا اور عربوں کو ہزیمت اٹھانا پڑی۔ اس کا سبب بھی وہی غنیمت تھا۔ مسلمانوں کی پشت فتوحات سپین کے غنائم سے بوجھل تھی (عربوں کی یہ عادت تھی کہ وہ مال غنیمت ساتھ لے کر چلتے اور فوج کے پیچھے ایک ٹولی اس کا تحفظ کرتی)' نصرانیوں نے اس کمزوری کو بھانپ کر اسی حصے پر حملہ کیا۔ عرب اس چال کو نہیں سمجھ سکے۔ ان کی بعض ٹولیاں' مال غنیمت کے تحفظ کے لیے عقبی حصے کی طرف پلٹیں۔ لڑنے والی فوج کے نظام میں ابتری پیدا ہوئی۔ ایسے میں فوج کو منظم کرنے کی غافقی کی کوششیں بے سود ثابت ہوئیں --- یہ معرکہ' یورپ کے اندر مسلم پیش قدمی کی مراجعت کا نقطہ آغاز ثابت ہوا' کیونکہ بقول مصنف : "مادے کی چمک دمک ایمان کی شعاعوں پر غالب آ چکی تھی۔"

ڈاکٹر عویس نے تاریخ کی ایسی ہی تفصیلات کی روشنی میں' چار عنوانات کے تحت' اپنا موقف واضح کیا ہے۔ یورپ میں ہمارے زوال کی داستان' مشرقی حکومتوں کا زوال' مغربی حکومتوں کا زوال' عصر جدید میں ہمارا زوال --- اس ضمن میں انھوں نے اندلس کے امویوں' مصر کے طولونیوں' فارس کے سامانیوں' طبرستان کے علاحدگی پسندوں' الجزائر کے خوارج اور بنو حماد' مغرب کے مرابطہ' تیونس کے اغالبہ' عثمانی ترکوں' سلجوقیوں' فاطمیوں اور سسلی سے مسلمانوں کے اخراج کے حوالوں سے مسلم زوال و ہزیمت کے حسب ذیل نمایاں اسباب تلاش کیے ہیں:

۱- نظام خلافت کی' موروثی بادشاہت میں تبدیلی' جس کے نتیجے میں امویوں میں نسلی برتری کا احساس' جس نے ایک خطرناک اور مہلک تہذیبی مرض کی حیثیت اختیار کرلی اور امت کے جسم

اور روح کے مابین انفصال پیدا ہوگیا۔ اس سے بگاڑ اور ظلم و فساد کی ہزار خرابیاں نمودار ہوئیں۔

۲ - نسلی بنیادوں پر قومیت کا نعرہ، جس نے اندلس سے مسلم پسپائی سے لے کر، دور جدید میں عرب ترک آویزش کے نتیجے میں دونوں کے زوال تک میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ بقول مصنف: "عرب قومیت نے عربوں کو انتہائی نیچی سطح پر پہنچا دیا ہے۔ تعجب انگیز امر یہ ہے کہ لبنان اور فلسطین کے واقعات سے انھیں کوئی سبق نہیں ملا"۔

۳ - معاملات و مسائل کی باگ ڈور عورتوں اور دربانوں کے سپرد کردینا، مسلم تاریخ کا ایک عبرت ناک منظر ہے۔ یہ سلسلہ بعض اندلسی اموی حکمرانوں سے شروع ہوا اور پھر کتنی ہی حکومتیں عورتوں کے ہاتھوں برباد ہوئیں۔

۴ - جاگیرداری نظام کا اجرا اور فروغ۔

۵ - فقہا کا غیر معتدل تکفیری رویہ، جس کا ایک شکار امام غزالی بھی ہوئے۔ "احیاء العلوم" جلائی گئی اور اس کا رکھنا جرم قرار پایا۔ ان فقہا کے نزدیک کتاب و سنت کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ گئی۔ یہ لوگ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضے سے غافل تھے۔

ضمنی وجوہ میں سلاطین کی عیش پرستی، حکومتی شعبوں کا بگاڑ، رشوت کی گرم بازاری، اعتقادی و فکری گمراہی اور صلیبی و صیہونی طاقتوں کی ریشہ دوانیاں شامل ہیں، مگر یہ سب، مذکورہ بالا اصل وجوہ ہی کا شاخسانہ تھیں --- ڈاکٹر عویس نے دور حاضر میں مسلم زوال کے ضمن میں ایک پتے کی بات کہی ہے کہ: "امت، حقیقی صالحین کو نظرانداز کرکے اپنی بیماریوں کا علاج دشمنوں کے یہاں تلاش کرتی ہے۔"

مصنف نے اسباب و وجوہ سے آگے بڑھ کر بعض ان قیمتی نکات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جن کی طرف توجہ دینا، امت خصوصاً حکمرانوں کی حقیقت پسندی کا تقاضا ہے --- ان میں سب سے اول اور اہم روح جہاد ہے، جو امت کے فکری و معنوی اور مادی وجود کو برقرار و متحد رکھنے کے لیے ناگزیر ہے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ "لوگوں کے دلوں میں اسلام کی جڑیں گہری کی جائیں" اور اس کے لیے بہترین طریقہ جہاد ہے۔ صلاح الدین ایوبی کو اپنے زمانے میں بہت سے مسائل کا سامنا تھا، مگر اس نے ان میں الجھنے اور امت کو الجھانے کے بجائے صلیبی خطرے کا حقیقی ادراک کیا اور تدبیر جہاد کو، نازک صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے، ایک کامیاب گر کے طور پر اختیار کیا --- دفاع وہی کرسکتا ہے جو حملے کی قوت رکھتا ہو اور جہاد کے سوا، حملے کی قوت حاصل کرنے کا کوئی اور بہتر ذریعہ نہیں ہے --- دوسری چیز امت کے اندر زندگی کی قوت بیدار

کرنا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بیرونی امداد اور سہاروں سے کبھی خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچ سکا' اور "اندرونی قوت" کتاب و سنت کے احترام اور شریعت کی پابندی سے پیدا ہوتی ہے۔ (اور اسی کے نتیجے میں انفرادی و اجتماعی زندگی صحیح رخ اختیار کرتی ہے) --- جہاں اللہ تعالیٰ کے قوانین کی خلاف ورزی ہوتی ہے' وہاں فسق و فجور فروغ پاتا ہے۔ (قرآن حکیم کے مطابق اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا' بلکہ لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں)۔ اور نافرمانوں کو اللہ کی طرف سے مہلت ملتی ہے' اس سے ان کے اندر اور زیادہ جرات پیدا ہوتی ہے۔ پھر زوال کے جملہ اسباب جمع ہو جاتے ہیں --- یہ وہ تیسرا اہم نکتہ ہے جو امت کے پیشِ نظر رہنا چاہیے۔

مسلم حکومتوں کے زوال و عبرت کا مرقع پیش کرتے ہوئے مصنف مایوسی کا شکار نہیں ہوئے۔ وہ غیرمعمولی جرات سے تاریخ کی از سرِ نو تشریح کے قائل ہیں کہ ہماری تاریخ' ایک روشن مستقبل کا راستہ دکھاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں: "یہ امت ضرور باقی رہے گی' اور ضرور اپنا کردار ادا کرے گی' اور ضرور اپنی غفلت دور کرے گی۔ تاریخ کے چودہ سو سالہ مزاج سے ہمیں اسی کا یقین ہوتا ہے۔"

اسلام کی بالادستی کے لیے مصنف کی قلبی لگن ان کے انداز تحریر سے واضح ہے' جو قاری کو متاثر کرتا اور دعوتِ غور و فکر دیتا ہے --- یہ ان مفید کتابوں میں سے ہے جن کی اشاعت امت کے بہی خواہوں' اور اس کے مستقبل کے بارے میں فکر و تدبیر کرنے والوں کے ہاں خیرمقدم کے لائق ہوتی ہے۔ (رفیع الدین ہاشمی)

بنیاد پرستی اور تحریک اسلامی: از ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی۔ ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔ صفحات ۶۴۔ قیمت ۶ روپے۔

حالیہ برسوں میں "بنیاد پرستی" کی اصطلاح' مشرق و مغرب میں بحث مباحثے کا موضوع رہی ہے۔ اہلِ مغرب نے بڑی چالاکی سے اس اصطلاح کے ذریعے' مسلمانوں خصوصاً احیائے امت اور اسلامی نشاتِ ثانیہ کے لیے کام کرنے والی تحریکوں کو مطعون کرنے کی کوشش کی ہے ـــــ بذاتِ خود اس اصطلاح میں بڑا ابہام ہے ـــــ اہلِ اسلام کے بعض حلقوں نے اس اصطلاح کو دلائل کے ساتھ رد کر دیا ہے' مگر بعض افراد کے نزدیک ایک خاص مفہوم میں اسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی بھارتی مسلمانوں کے معروف رہنما ہیں اور وہاں کے

مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے ہیں۔ زیرِ نظر تالیف میں ان کا موقف یہ ہے کہ ایک مسلمان اس اعتبار سے تو بنیاد پرست ہے کہ وہ بعض ایسے عقائد و نظریات پر ایمان رکھتا ہے جو وحیِ الٰہی کے ابدی اصولوں اور دائمی قدروں پر مبنی ہیں' اور اس کے لیے ان اصولوں اور عقائد سے انحراف کسی طرح بھی ممکن نہیں' مگر اسلام کسی ایسی "بنیاد پرستی" سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا جو جہالت' کٹرپن' جبر' تنگ نظری' مجنونانہ وابستگی اور عورتوں کی تذلیل پر قائم ہو۔ مسلمانوں پر ایسی بنیاد پرستی کا الزام ایک صریح خیانت ہے' جس کے ڈانڈے مستشرقین کی علمی بددیانتیوں اور صلیبی جنگوں سے ملتے ہیں۔ ڈاکٹر فریدی کی یہ بات بالکل درست ہے کہ اگر مسلمانوں یا مسلم حکومت سے کچھ غلطیاں صادر ہوتی ہیں تو انھیں "اسلامی بنیاد پرستی" کے کھاتے میں ڈال کر اسلامی تحریکوں کو مطعون کرنا اہل مغرب کی بدنیتی ہے ـــــ اسلام تو عدل و انصاف' احترامِ آدمیت' معقولیت اور حریتِ فکر و عمل کا مسلک ہے۔

مصنف نے آخر میں زور دیا ہے کہ افرادِ امت کو خود اپنا' اپنے علما' اپنے قائدین اور اپنے حکمرانوں کا ایماندارانہ احتساب کرنا چاہیے کیونکہ انھوں نے اسلام کی حقیقی تصویر پیش کرنے میں کوتاہی کی ہے اور اس کا ازالہ کیے بغیر الزام تراشی کی مذکورہ یلغار کا موثر تدارک ممکن نہیں ہے۔ (رفیع الدین ہاشمی)

برصغیر میں اسلامی سلطنت کے قیام سے تشکیل کانگرس تک علما کا سیاسی کردار:
ڈاکٹر ایچ بی خان - ناشر: الحمد اکادمی۔ ۵ / ۱۴ - سی' لیاقت آباد' کراچی - صفحات ۲۰۸ - قیمت ۷۵ روپے۔

مصنف کے نزدیک "کتاب ہذا کے قلم بند کرنے کا مقصد یہ ہے کہ برصغیر میں اسلامی حکومت کے قیام سے لے کر اس کے زوال و انحطاط تک علما نے اپنے عمل و کردار سے جو نقوش ثبت کیے ہیں انھیں غیر جانبدارانہ تحقیق کی روشنی میں پیش کیا جائے۔" مصنف نے سب سے پہلے اسلام میں علما کے مرتبہ و مقام' ان کی حیثیت و اہمیت کا تعین کیا ہے' پھر مختلف ادوار میں معاصر سلاطین کے ساتھ علما کے روابط' سرکاری عہدوں کے حصول' حکومت سے وابستگی کا تذکرہ کیا ہے۔ عہدِ سلاطینِ دہلی (۹۹۸ - ۱۵۲۶) کے علما و مشائخ کی علمی' دینی اور

سیاسی سرگرمیوں کا احاطہ کرنے کے بعد عہدِ مغلیہ کے علما کے کردار کا جائزہ لیا ہے۔ اسلامی ہند میں علما کے مقام اور کردار کا ذکر کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ "قرونِ وسطیٰ سے لے کر دورِ حاضر تک ایسے علما کی مثالیں موجود ہیں جنھوں نے احکاماتِ شرع کی پیروی میں سخت سے سخت اذیتیں اور صعوبتیں برداشت کیں مگر کلمۂ حق کی ادائیگی سے سرِمُو تجاوز نہیں کیا" (ص ۳۲)۔ لیکن ایسے علما کا ذکر بھی کتاب میں ملتا ہے جنھوں نے اسلام کے ارکان کی بجاآوری سے سلطانِ وقت کو مستثنیٰ قرار دے دیا (ص ۴۲)۔

زیرِ تبصرہ کتاب میں علما کی صرف سیاسی خدمات ہی نہیں' ان کی تعلیمی' سماجی اور دینی خدمات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ جماعتِ مجاہدین کی سرگرمیوں اور ان کی ناکامی کے اسباب کا کھوج لگانے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب مختصر ہے تاہم بہت سے ضمنی مباحث کو بھی اختصار سے پیش کیا گیا ہے۔ چوتھے باب میں ۱۸۵۷ کے بعد پاک و ہند کے سیاسی حالات میں علما کے کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے سرسید اور ان کے رفقا ' کی تعلیمی اور سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ علماءِ دیوبند کی دینی' سیاسی اور تعلیمی مساعی کو بھی زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ مصنف کی کاوش لائقِ ستائش ہے کہ بہت بڑے موضوع کو مختصر کتاب میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ (ظفر حجازی)

وضاحت

۱۔ ترجمان القرآن میں ترجیحاً دینی اور علمی کتابوں پر تبصرے شائع کیے جاتے ہیں۔

۲۔ تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں۔

۳۔ تبصرے کے لیے مطبوعات براہ راست: مدیر ترجمان القرآن منصورہ' لاہور ۵۴۵۷۰ کو بھیجی جائیں۔

ترجمان القرآن

اگر آپ کے پاس جنوری اور فروری ۱۹۹۴ کے پرچے نہیں' اور آپ اپنی فائل مکمل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں فوراً مطلع کریں۔ یہ شمارے ختم ہو چکے ہیں' معقول تعداد میں آرڈر وصول ہونے پر دوبارہ چھپوائے جائیں گے۔

ادارہ ترجمان القرآن - رحمٰن مارکیٹ اردو بازار لاہور